عشرۂ ذی الحجہ کی فضیلت

اس عشرہ کی فضیلت قرآن حکیم و حدیث نبوی ﷺ سے ثابت ہے۔

قرآن حکیم میں سورۃ الفجر کی آیت وَلَيَالٍ عَشْرٍ (الفجر ۲) (اور دس راتوں کی قسم) سے امام قرطبی اور کئی دوسرے مفسرین حضرات رحمہم اللہ تعالیٰ نے ذی الحجہ کی دس راتوں کو مراد لیا ہے۔

قال العلامۃ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ: و اللیالی العشر: المراد بھا عشر ذی الحجۃ، کما قالہ ابن عباس و ابن الزبیر و مجاھد و غیر واحد من السلف و الخلف۔ و قد ثبت فی صحیح البخاری عن ابن عباس مرفوعا: مامن أیام العمل الصالح أحب إلی اللہ فیھن من ھذہ الأیام یعنی عشر ذی الحجۃ قالوا: و لا الجھاد فی سبیل اللہ؟ قال: و لا الجھاد فی سبیل اللہ؟ قال: و لا الجھاد فی سبیل اللہ إلا رجلا خرج بنفسہ و مالہ ثم لم یرجع من ذلک بشئی۔[1]

و قال العلامۃ القرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ: و لیالٍ عشر أی لیال عشر من ذی الحجۃ۔ و کذا قال مجاھد و السدی و الکلبی فی قولہ: و لیال عشر ھو عشر ذی الحجۃ۔[2]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: کوئی دن ایسا نہیں ہے کہ جس میں نیک عمل اللہ تعالیٰ کے یہاں ان دس (ذی الحجہ کے) دنوں کے نیک عمل سے زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہو، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! کیا جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے؟ فرمایا: جہاد فی سبیل اللہ سے بھی بڑھ کر ہے۔ ہاں وہ شخص جو اپنی جان اور مال لے کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلا اور پھر ان میں سے کوئی چیز بھی واپس لے کر

---

[1] (تفسیر ابن کثیر، ج ۴، ص ۵۰۵، ط: قدیمی)

[2] (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی، ج ۲۰، ص ۳۶، ط: رشیدیہ)

نہ آیا(یعنی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں نثار کر دیا تو یہ ان دنوں کے نیک عمل سے بھی بڑھ کر ہے)۔

عن ابن عباس عن النبي صلى الله عليه و سلم أنه قال: ما العمل في أيام العشر أفضل من العمل في هذه. قالوا ولا الجهاد؟ قال ولا الجهاد إلا رجل خرج يخاطر بنفسه و ماله فلم يرجع بشيء۔[3]

قال و سئل (رسول اللہ ﷺ) عن صوم يوم عرفة فقال يكفر السنة الماضية و الباقية۔[4]

رسول اللہ ﷺ سے عرفہ (۹ ذی الحجہ) کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا(۹ ذی الحجہ کا روزہ رکھنا) ایک سال گزشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے۔

☆ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لئے عشرہ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں، ان میں سے ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزے کے برابر اور ایک رات میں عبادت کرنا شب قدر کے برابر ہے۔[5]

☆ نیز فرمایا کہ عرفہ (نویں ذی الحجہ) کا روزہ رکھنا ایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کا کفارہ ہے۔[6]

☆ واضح رہے کہ عرفہ کے دن کا ہر علاقے کا اپنا اعتبار ہے۔ لہٰذا پاکستان میں عرفہ کا دن یہاں کے ۹ ذی الحجہ کو ہی ہو گا اس میں سعودی عرب کے ۹ ذی الحجہ کا اعتبار نہ ہو گا۔[7]

☆ اسی طرح عید کی رات میں عبادت کرنا بڑی فضلیت اور ثواب کا موجب ہے۔

---

[3] (مشکوٰۃ، ص ۱۲۷، ۱۲۸: ط: قدیمی)

[4] (مسلم، ج ۱، ص ۳۲۸: قدیمی)

[5] (ترمذی ج۱ص۲۷۸ رحمانیہ، ابن ماجہ ص۱۲٤قدیمی)

[6] (ترمذی ج۱ص۲۷٦ رحمانیہ، ابن ماجہ ص۱۲٤)

[7] (نظام الفتاویٰ ج۲' ص ٤۲۳)

☆ قربانی کرنے والے کے لئے مستحب ہے کہ وہ ماہ ذی الحجہ کے آغاز سے قربانی کا جانور ذبح کرنے تک جسم سے بال اور ناخن صاف نہ کرے، البتہ اگر چالیس دن پورے ہوئے ہوں تو بالوں کی صفائی ضروری ہے۔[8]

قربانی کی فضلیت:

☆ صحابی رسول ﷺ حضرت عمران بن حصین سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اے فاطمہ! اپنی قربانی کے لئے کھڑی ہو جا اور حاضر ہو جاؤ، بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ اس (قربانی) کے خون کا پہلا قطرہ گرنے سے پہلے تمہارے پچھلے گناہوں کو معاف کر دے گا اور (قربانی کے ذبح کے وقت) کہہ، **ان صلاتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العلمین۔**

☆ **لا شریک لہ و بذلک امرت و انا اول المسلمین۔** عمران کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ (فضلیت) خاص آپ اور آپ کے اہل بیت کے لئے ہے یا تمام مسلمانوں کے لئے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، بلکہ یہ (فضلیت) تمام مسلمانوں کے لئے ہے۔[9]

☆ صحابی رسول ﷺ حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ قربانی کیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کی سنت (طریقہ) ہے تو صحابہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس میں کیا (کتنا ثواب) ملے گا؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا ہر بال کے بدلے ایک نیکی (ملے گی) صحابہ

---

8 (فتاوی رحیمیہ ج۱۰ ص۳۱ بحوالہ مسلم و شامی)

9 (مستدرک للحاکم رقم الحدیث ـ ۲٤۷' بحوالہ محمودیہ ۱۷/٤۹۱)

نے عرض کہ کیا دنبہ میں بھی ؟ اے اللہ کے رسول ﷺ !تو آپ ﷺ نے فرمایا دنبہ میں بھی ہر بال کے بدلے ایک نیکی ملے گی۔[10]

نصاب قربانی:

مسئلہ ۱: جس کی ملک میں سونا، چاندی، مال تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد اشیاء میں کوئی چیز یا ان میں سے بعض اشیاء کا مجموعہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر قربانی واجب ہے۔ اگر صرف سونا(چاندی، مال تجارت، نقدی اور ضرورت سے زائد سامان نہ ہو) تو پھر ساڑھے سات تولہ سے کم پر قربانی واجب نہیں۔اسی طرح اگر صرف چاندی ہو(سونا، تجارت، نقدی اور ضرورت سے زیادہ سامان نہ ہو)تو پھر ساڑھے باون تولہ کم پر قربانی واجب نہیں۔[11]

مسئلہ ۲:اگر کسی کے پاس اپنے رہائش مکان کے علاوہ دوسرا مکان ہو تو اس کی ضرورت سے زائد ہے لہٰذا تکمیل نصاب میں اس مکان کی قیمت کا اعتبار ہو گا اور قربانی واجب ہو گی۔[12]

مسئلہ ۳:اسی طرح اگر اپنا رہائشی گھر کرایہ پر دیا ہوا اور خود دوسرے گھر میں کرایہ پر رہائش پذیر ہو تو تکمیل نصاب میں اس گھر کی قیمت کا بھی اعتبار ہو گا کیونکہ فی الحال یہ اس کی ضرورت سے زائد ہے۔[13]

مسئلہ ۴:اگر عورت کا مہر بقدر نصاب شوہر کے ذمہ ہوا اور اس کے بغیر عورت صاحب نصاب نہ ہو تو اگر ایام قربانی تک شوہر نے ادا نہ کیا تو عورت پر قربانی واجب نہیں۔[14]

---

10 (ابن ماجه كتاب الاضاحى)

11 (هنديه ج٢٩٢، شاميه ج٢ص٣٦٠)

12 (شامى، فتاوى رحيميه ج١٠ص٢٨)

13 (فتاوى رحيميه ج١٠ص٣١)

14 (شاميه ج٦'ص٣١٢)

نوٹ: حاجت اصلیہ سے زائد اشیاء سے مراد وہ جائز اشیاء ہیں جو کبھی انسان کے استعمال میں نہ آتے ہوں لہٰذا ٹی وی، وی سی آر اور ناجائز سی ڈیز وغیرہ بھی ضرورت سے زائد اشیاء ہونگے کیونکہ شرعا ان کا استعمال ناجائز ہے۔

شرائط قربانی:

ا۔ مسلمان ہونا، غیر مسلم پر قربانی واجب نہیں۔

۲: مقیم ہونا مسافر پر واجب نہیں، لہٰذا مسافر حاجی (سعودی عرب وغیرہ میں 15 دن سے کم قیام کرنے والے) پر حج میں دم شکر کے علاوہ قربانی نہیں ہے۔[15]

۳: آزاد ہونا، غلام پر نہیں۔

۴: بالغ ہونا، نابالغ پر نہیں۔

۵: عاقل ہونا، مجنون (پاگل) پر نہیں۔

۶: مالدار (صاحب نصاب) ہونا، غیر صاحب نصاب پر نہیں۔[16]

۷: جانور حرام رقم سے خریدا نہ گیا ہو ورنہ کسی شریک کی قربانی نہ ہو گی لہٰذا حرام اداروں کے ملازمین میں مثلا سودی بینک ملازم، انشورنس ملازم وغیرہ اور دیگر مال حرام والوں کے ساتھ قربانی جائز نہیں۔[17]

البتہ، اگر ایسے لوگ کہیں سے حلال رقم کا بندوبست کر لیں تو پھر کوئی حرج نہیں۔

---

15 (شامیه ج٦ص ٣١٥)

16 (البدائع ج٥ص ٦٤، ٦٣، هنديه ج٥ص ٢٩٢)

17 (احسن الفتاوی ج٧ص ٥٠٣)

قربانی کے جانور کی عمر:

۱۔ اونٹ کم از کم عمر ۵ سال ہو۔[18]

۲: گائے، بیل کی عمر کم از کم ۲ سال ہو۔[19]

۳: بکرا بکری، بھیڑ اور دنبہ کی عمر کم از کم ایک سال وہ۔ البتہ چھ ماہ یا اس سے زیادہ کا دنبہ اگر اتنا فربہ اور موٹا ہو کہ دیکھنے میں پورے سال کا معلوم ہو تا ہو تو سال سے کم ہونے کے باوجود بھی اس کی قربانی جائز ہے۔[20]

نوٹ: جانور کے بارے میں عمر دانتوں کا اعتبار نہیں، بلکہ مذکورہ بالا عمر کا اعتبار ہے لیکن بد دیانتی عام ہونے کی وجہ سے دانتوں کا اعتبار کرنا بہتر ہے۔[21]

عن ام سلمة رضی اللہ تعالیٰ عنها ان النبي صلى الله عليه وسلم قال إذا رأيتم هلال ذى الحجة وارادا احدكم ان يضحى فليمسك عن شعره واظفاره۔[22]

حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب ذی الحجہ کا چاند نظر آئے (یعنی ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہو جائے) اور تم میں سے کسی کا قربانی کرنے کا ارادہ ہو تو وہ جسم کے کسی حصے کے بال اور ناخن نہ کاٹے۔

---

18 (مسلم ج۲ص۱۵۵)

19 (مسلم ج۲ص۱۵۵)

20 (مسلم ج۲ص۱۵۵اعلاء السنن ج۷ص۲۴۱)

21 (شامی ج۱۰ص۴۸۷ رحیمیه، کفایت المفتی ج۵ص۲۱٦)

22 (مسلم، ج۲ ص۱۶۰، ط: قدیمی)

قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ ذی الحجہ کا چاند نظر آنے کے بعد قربانی کرنے تک اپنے ناخن نہ کاٹے اور سر، بغل اور ناف کے نیچے بلکہ بدن کے کسی بھی حصے کے بال بھی نہ کاٹے لیکن ایسا کرنا مستحب ہے۔

تمام سالکین پر مستحبات پر عمل کرنا ضروری ہے۔

کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا ولی محض فرض، واجبات اور سنتیں ادا کرنے سے نہیں بن سکتا کہ ان کی ادائیگی ہر مسلمان کے لیے لازم ہے، جبکہ مستحبات پر عمل انسان کو نہ صرف اللہ تعالیٰ کا قرب مہیا کر سکتا ہے بلکہ اس کو اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ولی بھی بنا سکتا ہے۔

مستحبات کی اہمیت

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَأَنْسٰهُمْ أَنْفُسَهُمْ ط أُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ O

ترجمہ: "(اے مسلمانو!) تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے اللہ (کے احکام) سے بے پروائی کی (یعنی عمل بالاحکام کو ترک کر دیا اس طرح کہ اوامر کے خلاف کیا اور نواہی کا ارتکاب کیا، سو اس کا اثر یہ ہوا کہ) اللہ تعالیٰ نے خود ان کی جان سے ان کو بے پرواہ بنا دیا (یعنی ان کی ایسی عقل ماری گئی کہ خود اپنے نفع حقیقی کو نہ سمجھا اور نہ حاصل کیا) یہی لوگ نافرمان ہیں (اور نافرمانی کی سزا بھگتیں گے)۔ (بیان القرآن)

ضروری تمہیدی باتیں: یہ ایک مختصر سی آیت ہے سورۂ حشر کے اخیر کی، اس کے اندر دوسری آیتوں کی طرح ایک نہایت ضروری مضمون بیان فرمایا گیا ہے۔

مستحبات کی اہمیت:

قرآن پاک کا تو ہر ہر جز ضروری ہے۔ اس میں غیر ضروری کوئی بات ہے ہی نہیں حتیٰ کہ جن آیات میں واجبات اور فرائض کا بھی ذکر نہیں، محض مستحبات ہی کا ذکر ہے ان کا مضمون بھی ضروری ہے۔ گو آج کل مستحبات کو ضروری نہیں سمجھا جاتا، یہ صحیح ہے کہ عمل کے درجہ میں وہ واجبات اور فرائض کے برابر ضروری نہیں، مگر تعلیم ان کی بھی ضروری ہے، ایک تو اس لئے کہ جب لوگوں کو ان کا مستحب ہونا معلوم ہو گا تو کوئی ان کو ناجائز نہ سمجھے گا، یا فرض وواجب کے درجہ کا خیال نہ کرے گا یہ تو اصلاحِ اعتقاد کے لحاظ سے ضروری ہے۔ دوسرے اس لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے برکات و ثمرات بے شمار ہیں جن کے معلوم نہ ہونے سے ان سے بے رغبتی رہتی ہے، اگر ان برکات و ثمرات کا علم ہو جائے جو ادنیٰ ادنیٰ مستحبات سے حاصل ہوتے ہیں تو آپ خود کہیں گے کہ افسوس ہم اب تک بڑے خسارے میں رہے کہ ایسے قیمتی جواہرات سے بے خبری رہی، یہ ضرورت، تکمیلِ عمل کے درجہ میں ہے۔

غرض مستحبات کا ذکر بھی قرآن پاک میں بے ضرورت نہیں، ان کا ذکر بھی ضروری اور بہت ضروری ہے، اگر محبت ہو تو اس کی قدر معلوم ہو، کیونکہ عاشق صادق کا مزاج ہی جدا ہوتا ہے وہ تو محبوب کی خوشی کی ذرا ذرا سی بات کی تلاش میں رہتا ہے، اور جب معلوم ہو جاتا ہے کہ محبوب فلاں فلاں بات سے خوش ہوتا ہے تو وہ کوشش کرتا ہے کہ میں یہ بھی کروں اور وہ بھی کروں، کوئی بھی بات اس کے خوش کرنے کی مجھ سے نہ رہ جائے، اگر ہم کو بھی یہی عاشقانہ مزاج نصیب ہو جائے تو اس وقت ان مستحبات کی قدر معلوم ہو، اور ان کے بیان کو خدا تعالیٰ کی رحمت اور رسول اللہ ﷺ

کی شفقت سمجھیں کہ واقعی اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کس تفصیل سے ان ساری باتوں کو بتلادیا جو اللہ تعالیٰ کو خوش کرنے والی ہیں۔

مستحبات عشّاق کا سرمایۂ تسکین ہیں: اگر شریعت میں صرف ضروریات (فرائض وواجبات) ہی کا بیان ہوتا، مستحبات کا ذکر نہ ہوتا تو عشاق کو سخت بے چینی ہوتی کیونکہ عاشق، محض ضروریات پر اکتفا نہیں کرتا، ان کو تو وہ فرضِ منصبی سمجھتا ہے بلکہ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ فرضِ منصبی کے علاوہ بھی میں کوئی ایسا کام کروں جس سے محبوب کی توجہ مجھ پر زیادہ سے زیادہ ہو۔

ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارے خیالِ فاسد میں محض قانونی رہ گیا ہے اس لئے ہم فرائض وواجبات کے علاوہ مستحبات کو غیر ضروری سمجھتے ہیں اگر ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ محبت وجاںثاری کا ہوتا تو فرائض وواجبات پر ہم کبھی قناعت نہ کرتے، بلکہ خود ہی مستحبات کی تلاش میں لگ جاتے اور جس بات کے متعلق بھی یہ معلوم ہو جاتا کہ حق تعالیٰ کو یہ پسند ہے وہ اس سے خوش ہوتا ہے تو اس کی طرف شوق سے سبقت کرتے اور جس بات کے متعلق یہ معلوم ہو جاتا کہ یہ حق تعالیٰ کو ناپسند ہے تو اس سے کوسوں دور بھاگتے اور اس کی یہ تحقیق نہ کرتے کہ یہ زیادہ ناپسند ہے یا کم، عاشق کو تو اتنا جان لیناہی کسی کام سے رکنے کے لئے کافی ہے کہ یہ محبوب کو ناپسند ہے، وہ اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ یہ کس درجہ کا ناپسند ہے، آیا ایسا ناپسند ہے کہ اس کی سزا ضرب اور حبس کی دی جاتی ہے، یا ایسا ناپسند ہے کہ محبوب کسی قدر کبیدہ خاطر ہو جاتا ہے اور رخ پھیر لیتا ہے، اس کے نزدیک تو یہ دونوں صورتیں برابر ہیں، عاشق تو اس کو بھی ہرگز گوارا نہیں کر سکتا کہ محبوب اس سے کچھ بھی کبیدہ خاطر یا بے رخ ہو جائے، چہ جائیکہ کبیدگی کے علاوہ ضرب وحبس بھی ہو تو اس کو بھلا کیوں گوارا کرنے لگا۔

ہمارے تو **تعلق مع اللہ** میں ضعف آگیا ہے۔

اب ہماری حالت یہ ہے کہ اگر کسی کام کی نسبت یہ معلوم ہو جائے کہ یہ گناہ ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ صغیرہ ہے یا کبیرہ؟ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اگر چھوٹا گناہ ہوا تو کر لیں گے اور بڑا ہوا تو چھوڑ دیں گے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہمارا تعلق حق تعالیٰ کے ساتھ بہت ضعیف ہو گیا ہے گو پوری بے تعلقی بھی نہیں، کیونکہ یہ سوال بھی تعلق کی دلیل ہے۔ ان کو اتنا تعلق تو ہے کہ وہ حق تعالیٰ کو زیادہ ناراض کرنا پسند نہیں کرتے، اگر اتنا بھی تعلق نہ ہوتا تو اس سوال ہی کی کیا ضرورت تھی؟ کہ بڑا ہے یا چھوٹا؟ معلوم ہوا کہ بڑے گناہ سے ڈرتے ہیں کیونکہ اس سے خدا تعالیٰ بہت ناراض ہوتا ہے۔ مگر چونکہ زیادہ تعلق نہیں اس لئے تھوڑا سا ناراض کر دینا گوارا ہے۔ غرض یہی سوال کہ کیا یہ بڑا گناہ ہے، تعلق کی بھی دلیل ہے اور ضعفِ تعلق کی بھی۔ اس تقریر سے وہ لوگ خوش ہوئے ہوں گے جو گناہ کے متعلق بڑا چھوٹا ہونے کا سوال کرتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ہمارا تعلق بھی ثابت ہو گیا، اور ایک درجہ میں خوش ہونے کی بات بھی ہے کیونکہ: بلا بودے اگر ایں ہم نہ بودے۔

نفس تعلق کافی نہیں، کمالِ تعلق مقصود ہے:

مگر یہ بات بھی غور کرنے، سوچنے اور یاد رکھنے کی ہے کہ نفسِ تعلق پر قناعت نہیں ہو سکتی، آخر ہم آپس میں جو ایک دوسرے سے تعلقات رکھتے ہیں۔ کیا ان میں کوئی شخص نفسِ تعلق پر قناعت کر سکتا ہے؟ ہر گز نہیں، بلکہ ہر درجہ تعلق کمال کے ساتھ مطلوب ہے، چنانچہ بیوی کے ساتھ جو تعلق ہے وہ ایک نہایت ضعیف تعلق ہے جو صرف دو لفظوں (ایجاب و قبول) سے جڑ جاتا ہے اور ایک لفظ (طلاق) سے ٹوٹ جاتا ہے، مگر باوجود اس کے بیوی کے ساتھ نفسِ تعلق پر کوئی قناعت نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ بیوی کو میرے ساتھ کمال تعلق ہو، اسی لئے محض ضروری حقوق پر ہی اکتفا نہیں کیا جاتا بلکہ اس کو خوش کرنے کے لئے قسم قسم کے زیور، اور لباس تیار کرائے

جاتے ہیں جو اس کا حق واجب نہیں محض اپنے مصالح کی وجہ سے ان کاموں کو کیا جاتا ہے تاکہ تعلق بڑھے اور مستحکم ہو۔ اگر شوہر بیوی کے ساتھ قانونی علاقہ رکھے اور ضروری حقوق سے زیادہ کچھ نہ کرے تو گو اس میں بھی نفسِ تعلق باقی رہ سکتا ہے مگر تعلق کا لطف باقی نہیں رہ سکتا بلکہ اس صورت میں قطع تعلق کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔ تعلق کو بقاء جب ہی ہوتا ہے کہ اس کے استحکام کی تدبیر کی جائے، کیونکہ یہ تعلق نہایت ہی ضعیف ہے۔ مگر باوجود اس ضعف کے اس کا منقطع ہو جانا ہر شخص کو ناگوار ہے، اگر کبھی منقطع ہو جاتا ہے تو کتنا رنج ہوتا ہے۔ اس انقطاع سے بچنے، تعلق کو باقی رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے کیسے کیسے اسباب اختیار کئے جاتے ہیں، پھر کس قدر حیرت کی بات ہے کہ ہم کو ایک ضعیف تعلق میں تو نفسِ تعلق پر قناعت نہ ہو بلکہ اندیشہ انقطاع سے اس کے استحکام کی فکر ہو اور حق تعالیٰ کے ساتھ نفسِ تعلق پر اکتفا گوارا؟ حالانکہ خدا تعالیٰ سے ہمارا ایسا قوی علاقہ ہے کہ اس کے برابر کوئی علاقہ ہو ہی نہیں سکتا، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کے استحکام کی فکر ہم کو نہیں اور محض نفسِ تعلق کو کافی سمجھ رکھا ہے۔ یہاں یہ خیال کیوں نہیں ہوتا کہ تعلق کا بقا استحکام پر موقوف ہے۔ نفسِ تعلق بقاء کے لئے کافی نہیں بلکہ اس میں زداں اور انقطاع کا خطرہ لگا ہوا ہے، کیا کوئی اس بات کو گوارا کر سکتا ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ جو اس کو علاقہ ہے وہ منقطع ہو جائے؟ ہر گز نہیں پھر اس کے استحکام کی کیوں نہیں فکر ہوتی؟

مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از فرزند وزن　　　صبر چوں داری زربِّ ذوالجلال

(اے وہ شخص کہ جس کو اپنی بیوی بچوں کو خوش رکھنے کی فکر سے کبھی بھی فراغت نہیں ہے، تجھے اپنے سب سے بڑے محسن پروردگار کی رضاجوئی سے کیسے فراغت حاصل ہے؟)

اور فرماتے ہیں:

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں صبر چوں داری زنعم الماہدوں

(تجھ کو اس حقیر دنیا کی سدھار کی طرف سے تو پل بھر فرصت نہیں اور جس خدا نے کہ ساری نعمتیں فراہم فرمائیں اس کی رضاجوئی سے کیسی بے فکری ہے؟)

آہ، ہم سے چھوٹی چھوٹی چیزوں میں تو صبر ہو نہیں سکتا، مگر نہ معلوم خدا تعالیٰ سے کیسے صبر آگیا، ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے ساتھ ضعف تعلق ہم کو گوارا نہیں اور خدا تعالیٰ کے ساتھ ضعف تعلق ہونے پر ذرا جی نہیں دکھتا، گو حق تعالیٰ کے ساتھ نفس تعلق بھی ایک نعمت ہے مگر ضعف تعلق پر قناعت کر لینا بڑا ظلم ہے، یوں بعض لوگ تو بے تعلقی ہی پر راضی ہیں، مگر یہ کفار ہیں جن سے اس وقت خطاب نہیں۔

مستحبات کی ناقدری ضعف تعلق کی علامت ہے: اور بعض لوگ ضعفِ تعلق پر راضی ہیں، یہ ہم آج کل کے مسلمان ہیں، اسی کا یہ اثر ہے کہ آج کل ہم کو مستحبات کی قدر نہیں۔ ایک صاحب کہتے ہیں کہ بچپن میں میں بہت سی نوافل کا پابند تھا مگر منیۃ المصلی پڑھتے ہی جب معلوم ہوا کہ یہ تو مستحبات ہیں، جن کے نہ کرنے میں کچھ گناہ نہیں، اسی وقت نوافل کو چھوڑ دیا، اس وقت تو تنبہ نہ ہوا کہ میں کیا کر رہا ہوں، مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ وہ حالت بہت بری تھی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ ہم حق تعالیٰ کے ساتھ ضابطہ کا تعلق رکھنا چاہتے ہیں کہ بس ضروریات فرائض و واجبات کو بجالائیں اور ان کے علاوہ جو باتیں خدا تعالیٰ کو خوش کرنے کی ہیں ان کو چھوڑ دیں۔

شرعی مصلحت سے مستحب کا وقتی ترک الگ چیز ہے

یہ اور بات ہے کہ کسی وقت مستحب کو کسی مصلحت شرعی کی بنا پر ترک کر دیا جائے، مثلاً لوگوں کو یہ بتانے کے لئے کہ یہ فعل واجب نہیں، یا سفر میں رفقاء کی رعایت سے نوافل وغیرہ کو چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ انتظار کی تکلیف سے پریشان نہ ہوں یا کسی امرِ ضروری میں حرج کا اندیشہ ہو یا کسی وقت تعب کی وجہ سے اپنی راحت کے سبب ترک کر دیا جائے، تو اس قسم کے ترک پر کوئی الزام نہیں۔ نیز حدیث شریف میں بھی ارشاد ہے:

اِنَّ لِنَفْسِکَ عَلَیْکَ حَقًّا۔

کہ تجھ پر تیرے نفس کا بھی حق ہے۔

اور محض سستی سے بلاوجہ ترک کرنا اس سے حدیث میں پناہ آئی ہے:

اللھمّ اِنّیِ اَعُوْذُبِکَ مِنَ العِجزِ وَالْکَسْلِ۔

یعنی اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں عجز اور سستی سے۔

یاد رکھیئے طلبِ راحت کا تو حضور ﷺ نے امر فرمایا ہے اور اس کے لئے بعض صحابہ کو مستحبات کے ترک کرنے اور تقلیلِ نوافل کی ترغیب بھی دی ہے بخلاف سستی کے کہ آپ ﷺ نے اس سے پناہ مانگی ہے۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ طلبِ راحت اس وقت ہوا کرتی ہے کہ جب آدمی اپنی طاقت کے موافق کام کر چکا ہو، اور تعب و مشقت معلوم ہونے لگے، اس وقت حکم یہ ہے کہ طاقت سے زیادہ کام نہ کرے، جا کر آرام کرے اور اگر اپنی طاقت و ہمت کے موافق بھی کام نہ کرے، تھوڑا سا کام کر کے عمل کو چھوڑ دے، تو یہ سستی ہے، اور اس سے حضور ﷺ نے پناہ مانگی ہے۔

تفسیر عزیزی میں ہے:

من تھاون بالآداب عوقب بحرمان السنة ومن تھاون بالسنة عقوب بحرمان الواجبات ومن تھاون بالواجبات عوقب بحرمان الفرائض ومن تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة او کما قال۔

یعنی جس نے مستحبات میں سستی کی اسے سنت سے محرومی کی سزا ملے گی۔ اور جس نے سنت میں سستی کی اسے واجبات سے محرومی کی سزا ملے گی اور جس نے واجبات میں سستی کی اسے فرائض سے محرومی کی سزا ملے گی، اور جس نے فرائض میں سستی کی۔۔۔۔ یا جیسا آپ نے فرمایا۔

خلاصة الفتاویٰ جلد ۱ صفحہ ۶۴ پر ہے:

من ترک السنة بعذر فھو معذور ولو ترک بغیر عذر تھاوناً لا یقبل فرضه ویسأل عن ترکھا۔

یعنی جس نے عذر کی وجہ سے سنت کو ترک کیا وہ معذور ہے، اور جس نے بغیر عذر کے سنت کو ترک کیا تو سزا کے طور پر اس کے فرائض بھی قبول نہ کئے جائیں گے اور اس سے (سنت) ترک کرنے کے بارے میں (مرنے کے بعد) سوال ہو گا۔

مستحبات کو قبیح جاننا کفر ہے

مستحبات پر عمل نہ کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوتا، مثلاً سنتوں کے بعد اجتماعی دعا نہ کرنا، اسی طرح جنازے کے بعد دعا نہ کرنا، اور میلاد شریف نہ منانا، اور حضور ﷺ کے نام مبارک کو سن کر انگوٹھے نہ چومنا، جتنے بھی معمولاتِ اہل سنت والجماعت ہیں، ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا، لیکن ان اعمال کو قبیح جاننا، یہ کفر ہے۔

اسی وجہ سے صاحب عصام نے فرمایا:

واستقباح ما جعل اللہ مندوباً ایضاً کفر۔

یعنی جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے مندوب کیا ہو اس کو برا کہنا بھی کفر ہے۔[23]

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے: نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے لئے سفر کو حرام کہنے کی وجہ سے ابن تیمیہ کی تکفیر کی گئی ہے اور یہ تکفیر صحت اور صواب کے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس چیز کی اباحت پر اتفاق ہو اس کو حرام کہنا کفر ہے، تو جس چیز کے مستحبات ہونے پر تمام علماء کا اتفاق ہے اس کو حرام کہنا بطریق اولیٰ کفر ہو گا۔[24]

ہم اہل سنت و جماعت وہابی بد مذہبوں کو مستحبات ترک کرنے کی وجہ سے کافر نہیں کہتے بلکہ مستحبات کو قبیح جاننے کی وجہ سے کافر کہتے ہیں۔

مستحبات کی برکات:

خدا تعالیٰ کے ساتھ ہمارا بڑا گہرا تعلق ہے۔ اس لحاظ سے مستحبات بھی ضروری ہیں۔ یہ بات اس پر چلی تھی کہ خدا تعالیٰ کے کلام کا ہر ہر جز ضروری ہے، اور اسی سلسلہ میں عرض کیا تھا کہ قرآن پاک میں مستحبات کا بھی ذکر ہے، اور ان کو غیر ضروری سمجھا جاتا ہے، تعلیم ان کی بھی ضروری ہے کیونکہ ان کے برکات و ثمرات بے شمار ہیں۔

مثلاً ایک برکت تو یہ ہے کہ بعض اوقات مستحبات، معصیت سے مانع ہو جاتے ہیں، کیونکہ جو شخص تہجد، اشراق، چاشت، اوابین کا پابند ہو گا وہ بہ نسبت اس شخص کے معاصی سے زیادہ بچے گا جو

---

[23] (حاشیہ بیضاوی ص ۴۸)

[24] (شرح الشفاء ج ۳ ص ۱۶۰ - ۱۶۱، مطبوعہ دار لفکر بیروت)

محض پانچ وقت کے فرائض کا پابند ہو گا اور علاوہ اس خاصیت کے ایک طبعی راز یہ بھی ہے کہ مستحبات کی پابندی سے یہ شخص تہجد گزار، دیندار مشہور ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے گناہوں کے ارتکاب سے وہ خود بھی شرمانے لگتا ہے۔ دوسری برکت یہ ہے کہ بعض وقت کوئی فعلِ مستحب حق تعالیٰ کو ایسا پسند آجاتا ہے کہ وہی نجات کا ذریعہ بن جاتا ہے۔

سیبویہ کی حکایت: چنانچہ سیبویہ نحوی کو جو عقیدے کے لحاظ سے معتزلہ تھا، مرنے کے بعد کسی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ کہا مجھے بخش دیا، پوچھا کس بات پر؟ کہا کہ ایک نحو کے مسئلے پر، اور وہ مسئلہ یہ ہے کہ معرفہ کی بحث میں علماء نحو نے اختلاف کیا ہے کہ ضمائر کے اندر **اعرف المعارف** کون سی ضمیر ہے؟ کسی نے متکلم کی ضمیر کو اور کسی نے مخاطب کی ضمیر کو بتلایا، اور میں نے لفظِ اللہ کو اعرف المعارف کہا کہ اس سے بڑھ کر کوئی معرفہ نہیں، کیونکہ لفظ اللہ میں بجز ذاتِ حق کے کسی اور چیز کا احتمال ہی نہیں، بس حق تعالیٰ کو یہ بات پسند آگئی، اور فرمایا تم نے ہمارے نام کی بہت تعظیم کی، جاؤ تم کو بخش دیا۔ دیکھئے اس نحوی عالم کی مغفرت ایسے عمل پر ہوگئی جو اس نے ثواب کی نیت سے بھی نہ کیا تھا، صرف مسئلہ کے طور پر ایک بات کہی تھی مگر اسی پر فضل ہو گیا۔

ایک اور حکایت: اسی طرح ایک بزرگ جاڑے کی رات میں چلے جا رہے تھے، راستے میں ایک بلی کے بچے کو دیکھا کہ سردی کی وجہ سے ٹھٹھر رہا ہے۔ ان کو اس پر رحم آگیا اور اسے اٹھا کر گھر لے آئے اور لحاف میں چھپا لیا۔ جب ان بزرگ کا انتقال ہو گیا تو ان سے سوال ہوا کہ بتلاؤ ہمارے واسطے کیا لائے ہو؟ انہوں نے سوچا کہ اعمال تو میرے کسی قابل نہیں ہیں، کہ ان کو پیش کر دوں، لیکن الحمدللہ مجھے ایمان کی دولت حاصل ہے، اس میں ریاء وغیرہ بھی کچھ نہیں ہو سکتا، ایمان کو پیش کرنا چاہیئے۔ اس

لئے عرض کیا کہ "میں توحید لایا ہوں"۔ اس پر ارشاد ہوا: **اتذکرو لیلۃ اللبن۔** کیا دودھ والی رات بھی یاد ہے؟ تم نے ایک دن دودھ پینے کے بعد پیٹ میں درد ہو جانے پر کہا تھا کہ دودھ نے پیٹ میں درد کر دیا۔ کیا یہی توحید ہے؟ کہ درد کے فعل کو اس کی طرف منسوب کیا، ہم کو چھوڑ کر دودھ کو مؤثر قرار دیا۔ حالانکہ مؤثر حقیقی تو ہم ہیں۔ اب تو یہ بیچارے تھرّا اُٹھے، ارشاد ہوا تم نے اپنے دعوے کی حقیقت تو دیکھ لی، اب ہم تم کو ایسے عمل پر بخشتے ہیں جس کے متعلق تمہیں یہ وہم بھی نہ تھا کہ یہ موجبِ نجات ہو جائے گا۔ تم نے ایک رات ایک بلی کے بچے پر جو سردی میں ٹھٹھر رہا تھا، رحم کھا کر اپنے لحاف میں سلایا تھا، تم نے ہماری مخلوق پر رحم کیا، ہم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ تم پر رحم کریں، جاؤ ہم نے تمہیں بخش دیا۔

سبحان اللہ! یہ ہیں مستحبات کی عنایات و برکات۔ احادیث میں ایسے بہت سے لوگوں کے واقعات آئے ہیں کہ جنکی ادنیٰ ادنیٰ فعل پر مغفرت ہو گئی۔[25]

چند استحباب (ناخن، سر کے بال اور موئے زیر ناف وغیرہ نہ کاٹنے) کا قربانی کے ساتھ خاص ہونا

یہ استحباب صرف قربانی کرنے والوں کے ساتھ خاص ہے۔ وہ بھی اس شرط سے کہ زیر ناف اور بغلوں کی صفائی اور ناخن تراشے ہوئے چالیس روز نہ گزرے ہوں۔ اگر چالیس روز گزر چکے ہوں تو امور مذکورہ کی صفائی واجب ہے۔

---

[25] مفتاح السلوک، ص ۲۵۶ تا ۲۶۵

قربانی کے وُجوب کا اعتقاد رکھنے والے کا استطاعت کے باوجود قربانی نہ کرنا

(1) حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم، شفیع معظم صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"جو قربانی کرنے کی وسعت پائے پھر بھی قربانی نہ کرے تو وہ ہماری عیدگاہ کی طرف نہ آئے۔"[26]

تنبیہ:

اس حدیثِ پاک کے ظاہری مفہوم کے اعتبار سے اسے کبیرہ گناہوں میں شمار کیا گیا ہے اگرچہ میں نے کسی کو اس کے کبیرہ گناہ ہونے کی تصریح کرتے ہوئے نہیں دیکھا کیونکہ عید گاہ میں حاضر ہونے سے منع کرنے میں سخت وعید پائی جاتی ہے جبکہ قربانی کے مستحب ہونے کے قائلین مثلاً حضرتِ سیدنا امام شافعی علیہ رحمۃ اللہ الکافی وغیرہ اس کا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیثِ پاک کو امام حاکم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اگرچہ مرفوعاً روایت کیا اور اسے صحیح قرار دیا ہے مگر انہوں نے اسے موقوفاً بھی روایت کیا ہے۔

بعض علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:"شاید اس میں شبہ ہے، لہٰذا حدیثِ پاک میں اس بات پر حجت پوری نہیں ہوتی کہ ہم یہ کہنے لگیں کہ حاضری سے منع کرنے میں سخت وعید ہے۔

---

[26] (المستدرک، کتاب التفسیر (سورۃ الحج)، باب التشدید فی امر الاضحیۃ، الحدیث: ۳۵۱۹، ص ۳، ص ۱۴۸)

(2) کیا آپ نہیں جانتے کہ صحیح حدیثِ پاک میں آیا ہے:"جس نے لہسن، پیاز یا گندنا (جو پیاز کی طرح بدبودار ہوتا ہے) کھایا۔" جبکہ ایک اور روایت میں ہے،"یا مولی کھائی۔" وہ ہماری مسجد کے قریب نہ آئے۔"[27]

(3) حالانکہ اس کے باوجود مذکورہ اشیاء کھانے میں کوئی حرمت نہیں مگر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اس ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ اس سے انسانوں یا فرشتوں کو بُو کے ذریعے ایذاء پہنچتی ہے، لہٰذا ہم نے اس ممانعت کو اسی پر محمول کر لیا ہے جبکہ قربانی سے پاس جاؤ اور اسے لے کر آؤ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرنے پر تمہارے پچھلے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔" انہوں نے عرض کی:"یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! یہ انعام ہم اہل بیت کے ساتھ خاص ہے یا ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے؟"تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"بلکہ ہمارے اور تمام مسلمانوں کے لئے عام ہے۔"[28]

(4) اللہ کے مَحبوب، دانائے غُیوب، **مُنَزَّہٌ عَنِ الْعُیوب** عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)! اٹھو اپنی قربانی کا جانور لے کر آؤ کیونکہ اس کے خون کا پہلا قطرہ گرتے ہی تمہارے تمام گناہوں کو بخش دیا جائے گا جبکہ وہ جانور اپنے خون اور گوشت کے ساتھ لایا جائے گا اور 70 گنا اضافے کے ساتھ تمہارے میزان میں رکھا جائے گا۔"

حضرت سیدنا ابو سعید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کی:"یارسول اللہ عزوجل وصلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم! کیا یہ انعام اہل بیت (علیہم الرضوان) کے ساتھ خاص ہے؟ کیونکہ وہی اپنے ساتھ خاص شدہ بھلائیوں کے اہل ہیں یا آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کی آل اور تمام مسلمانوں کے لئے

---

27 (صحیح مسلم، کتاب المساجد، باب نہی من اکل ۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث: ۱۲۵۴، ص ۲۶۴، بدون "فجلا")

28 (المستدرک، کتاب الاضاحی، باب یغفر لمن یضحی ۔۔۔۔۔ الخ، الحدیث: ۷۶۰۰، ج۵، ص ۳۱۴)

عام ہے۔"تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"اہل بیت (علیہم الرضوان) کے لئے خاص جبکہ دیگر مسلمانوں کے لئے عام ہے۔"[29]

(5) شہنشاہِ خوش خِصال، پیکرِ حُسن وجمال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم سے صحابہ کرام علیہم الرضوان نے عرض کی:"یہ قربانیاں کیا ہیں؟" تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"تمہارے باپ ابراہیم (علیہ السلام) کی سنت ہیں۔"انہوں نے پھر عرض کی:"ہمارے لئے اس میں کیا اَجر ہے؟"تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"ہر بال کے بدلے ایک نیکی۔"انہوں نے عرض کی:"اوراُون میں (کیا اَجر ہے)؟"تو آپ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم نے ارشاد فرمایا:"اُون کے ہر بال کے بدلے بھی ایک نیکی۔"[30]

(6) دافِعِ رنج و مَلال، صاحبِ جُودو نوال صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے:"قربانی کے دن اللہ عزوجل کے نزدیک آدمی کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ پسندیدہ نہیں اور وہ جانور قیامت کے دن اپنے سینگوں، بالوں اور کھروں کے ساتھ آئے گا اور خون زمین پر گرنے سے پہلے ہی اللہ عزوجل کے ہاں (قبولیت کے) مقام پر پہنچ جاتا ہے لہٰذا خوش دلی سے قربانی کیا کرو۔"[31]

---

29 (السنن الکبرٰی للبیهقی، کتاب الضحایا، باب مایستحب للمرء۔۔۔۔۔الخ، الحدیث: ۱۹۱۶۱، ج۹، ص۴۷۶)

30 (سنن ابن ماجة، ابواب الاضاحی، باب ثواب الاضحیة، الحدیث: ۳۱۲۷، ص۲۶۶۷)

31 (جامع الترمذی، ابواب الاضاحی، باب ماجاء فی فضل الاضحیة، الحدیث: ۱۴۹۳، ص۱۸۰۴)

(7) رسولِ بے مثال، بی بی آمنہ کے لال صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم ورضی اللہ تعالٰی عنہا کا فرمانِ عالیشان ہے:"قربانی کے دن آدمی کا کوئی عمل خون بہانے سے زیادہ افضل نہیں مگر جب کہ وہ عمل صلہ رحمی کرنا ہو۔"[32]

(8) خاتَمُ الْمُرْسَلین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلمین صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے:"اے لوگو! خوش دلی سے قربانی کیا کرو اور ان کے خون پر رضائے الٰہی عزوجل اور اَجر کی اُمید رکھو اگرچہ وہ زمین پر گر چکا ہو کیونکہ وہ اللہ عزوجل کی حفاظت میں گرتا ہے۔"[33]

(9) سیِّدُ الْمُبَلِّغین، رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْن صلَّی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلَّم کا فرمانِ عالیشان ہے:"جس نے اپنی قربانی پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے خوش دلی کے ساتھ قربانی کی، وہ جانور اس کے لئے جہنم سے حجاب ہو گا۔"[34]

حررہ:

العبد الفقیر السید احمد علی شاہ ترمذی حنفی سیفی

حال فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن

جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالٰی علیہ

---

[32] (المعجم الکبیر، الحدیث:۱۰۹۴۸، ج۱۱، ص۲۷)

[33] (العجم الاوسط، الحدیث:۸۳۱۹، ج۶، ص۱۴۸)

[34] (المعجم الکبیر، الحدیث:۲۷۳۶، ج۳، ص۸۴)